(یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ
نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے
جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ۔)

اس آیت کی رُو سے قرآن حکیم نے رُوحانی تربیت کے لئے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزوں کا کھلی آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ اور مطالعہ اس انداز سے کریں کہ ان سے جو علم حاصل ہو وہ خُدا کے وجود کی ایک زندہ شہادت بن جائے ۔ خود اللہ تعالیٰ نے ایسے اہل علم کی شہادت کو بڑی اہمیت دی ہے :

شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ
قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ط لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ

(اللہ، فرشتوں اور اہل علم کی گواہی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود
نہیں ۔ وہ عدل و قسط کا قائم رکھنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود
نہیں، وُہ غالب اور حکمت والا ہے ۔)

ہماری ناچیز رائے میں " اولو العلم" کے زمرے میں وُہ خدا پرست سائنسدان بھی شامل ہیں جن کے نزدیک سائنس کا وظیفہ شہادتِ توحید ہے ۔

قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر سائنس اس وظیفہ کو صحیح طریقے پر انجام دینے لگے تو یہ اسلامی معاشرے میں ان تمام رُوحانی فضائل کی تخلیق کا باعث بن سکتی ہے جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے عین مطلوب ہیں ۔ مثلاً سب سے پہلے لفظ 'ہدایت' ہی کو لیجئے ۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے لفظ ہدایت کے مفہوم کی تشریح میں "بصیرت" اور "قلبی نور" کو سرِفہرست رکھا ہے اور سائنس کی ساری تگ و دو بھی تو اس لئے ہے کہ مظاہرِ فطرت کا مطالعہ کر کے قوانینِ فطرت میں بصیرت حاصل کی جائے ۔ یہ الگ بات ہے کہ الحاد اور لادینیت کے موجودہ دور میں سائنس اپنی اُس حقیقی منزل سے غافل بلکہ سرے سے ہی منکر ہو گئی ہے جو قرآن کے نزدیک اس کی اصل منزل ہے یعنی خدا شناسی اور خدا یابی ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہدایت کے لفظ میں بصیرت کا مفہوم

بھی شامل ہے لیکن قرآن حکیم نری بصیرت اور ہدایت بمعنی بصیرت میں واضح فرق کرتے ہوئے ہدایت کا لفظ صرف اُسی بصیرت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے جو انسان کو خدا پر یقین کی منزل تک پہنچائے - قرآن حکیم کا اپنے بارے میں یہ دعویٰ نہایت معنی خیز ہے کہ اس کی عطا کردہ بصیرت عام لوگوں کے لئے بھی ہے اور خاص لوگوں کے لئے بھی -

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ

(یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لئے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو یقین لائیں -)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم جب بھی مظاہر فطرت کو لوگوں کے سامنے خدا کی نشانیوں کے طور پر پیش کرتا ہے تو ایک طرف وُہ انہیں لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ، لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ، لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ، لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ کے ناموں سے خطاب کرتا ہے جو عام انسانی فضائل سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسری طرف وہ ان کے لئے لِقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ، لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ، لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ، لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ، لِقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ وغیرہ خطابات سے پکارتا ہے جو خالص رُوحانی فضائل شمار کئے جاتے ہیں - گویا قرآن حکیم اس حقیقت کو ذہن نشین کروانا چاہتا ہے کہ مظاہر کائنات کا مشاہدہ اور ان میں تعقّل، تفکّر، تفقّہ بھی بصیرت افروز ہیں لیکن اس طرح سے جو بصیرت حاصل ہوتی ہے وُہ "ہدایت" اور "رحمت" صرف اُسی صورت میں بن پائے گی جب اس بصیرت سے انسان کے اندر تقویٰ، ایمان، اسلام، تشکّر اور تذکّر کے رُوحانی داعیات بیدار ہوں گے - اس کے علاوہ اس کا ایک مطلب یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ قرآن جس قسم کی صفات رکھنے والا انسان پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں تقویٰ، ایمان، اسلام، تشکّر اور تذکّر جیسے فضائل کے علاوہ تفکّر، تعقّل اور تفقہ جیسے فضائل کا پایا جانا بھی ویسا ہی ضروری ہے - یہ فضائل ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح سے مربوط اور پیوست ہیں کہ ایک نوع کے فضائل کو دوسری نوع کے فضائل سے الگ کرنے کا تصوّر

(بقیہ صفحہ ۹۶ پر)

مرّوجہ نظامِ زمینداری اور اسلام (۱۰)

مزارعت اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ

از قلم: مولانا محمد طاسین

حافظ ابنِ حجرؒ نے اس عبارت میں علامہ قابسیؒ کے اعتراض کا جو جواب دیا ہے میں سمجھتا ہوں کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں کیونکہ علامہ قابسیؒ کو اس اثر کا انکار محض اس وجہ سے نہیں کہ اس میں قیس بن مسلم متفرد ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ابوجعفر مدنی سے اس کو کوئی مدنی راوی روایت نہیں کرتا بلکہ ایک کوفی راوی ہی روایت کرتا ہے قابسی کی اس اصل بات کا عبارتِ مذکورہ میں کوئی جواب نہیں۔ رہی یہ بات کہ ثقہ راوی کا کسی روایت میں متفرد و منفرد ہونا روایت کے لئے مضر نہیں ہوتا تو یہ اس صورت میں ضرور صحیح ہوتی ہے جب اس کے خلاف دوسرے ثقہ راویوں کی روایات اور ایسی وجوہات موجود نہ ہوں جو اس کو مشکوک و مشتبہ بنا دیتی ہوں، اور یہاں ایسی روایات اور وجوہات موجود ہیں۔ اور پھر حافظ ابنِ حجرؒ نے اسماء الرجال سے متعلق اپنی عظیم کتاب تہذیب التہذیب میں ان لوگوں کے اندر قیس بن مسلم کا شمار اور ذکر نہیں کیا جنھوں نے ابوجعفر الباقر محمد بن علی سے احادیث روایت کی ہیں، اسی طرح قیس بن مسلم کے ترجمہ میں ان شیوخ کے اندر ابوجعفر الباقر کا نام نہیں ذکر کیا جن سے قیس بن مسلم نے روایات لی ہیں، یہ چیز بھی ابوجعفر سے قیس بن مسلم کے سماع کو مشکوک بنا دیتی ہے۔

حافظ ابنِ حجر کے جواب مذکور میں یہ بھی فرمایا گیا ہے:۔

"والواقع ان قیسا لم ینفرد بہ فقد وافقہ غیرہ فی بعض معناہ کما سیأتی قریبًا"

مطلب یہ کہ قیس بن مسلم اس روایت میں تنہا نہیں بلکہ بعض دوسرے راویوں نے بھی کچھ کچھ یہی بات روایت کی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی قیس بن مسلم کی روایت میں کچھ قوت پیدا ہو جاتی ہے، وہ دوسری روایت جو ان کے فرمانے کے مطابق عنقریب آگے آ رہی

ہے۔ بخاری کے ترجمۃ الباب کی روایت میں سے ایک روایت ہے، جس کی طرف امام بخاری نے صرف یہ لکھ کر اشارہ کیا ہے: " وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی" اور حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا ہے۔

"واما اثر ابی بکر ومن ذکر معھم فروی ابن ابی شیبۃ و عبد الرزاق عن طریق اُخری الی ابی جعفر الباقر انہ سئل عن المزارعۃ بالثلث والربع فقال انی نظرت فی آل ابی بکر وآل عمر وآل علی وجدتھم یفعلون ذٰلک (ص ۸ ۔ ج ۵)

" وہ اثر جو آل ابی بکر سے متعلق ہے ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابو جعفر الباقر سے تہائی اور چوتھائی کے بدلے مزارعت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں اگر دیکھتا ہوں ابوبکرؓ عمرؓ اور علیؓ کی اولاد کو تو ان کو ایسا ہی کرتے پاتا ہوں۔

عبارتِ مذکور میں علامہ ابن حجر نے جس طریقِ اخرٰی کا حوالہ دیا لیکن اسے بیان نہیں کیا وہ مصنف ابن ابی شیبۃ اور مصنف عبد الرزاق میں اس طرح سے ہے۔

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو اسامۃ ووکیع عن عمرو بن عثمان عن ابی جعفر قال سألتہ عن المزارعۃ بالثلث والربع فقال ان نظرت فی آل ابی بکر وآل عمر وآل علی وجدتھم یفعلون ذٰلک	ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہم سے ابو اسامہ اور وکیع نے بیان کیا کہ ان سے عمرو بن عثمان نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ابو جعفر سے تہائی اور چوتھائی کی مزارعت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں ابوبکرؓ عمر اور علی کی آل و اولاد کو دیکھتا ہوں تو ان کو ایسا کرتے پاتا ہوں۔

ص ۳۳۸ ۔ ج ۶

اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابو سفیان قال اخبرنی عمرو بن عثمان بن موھب قال سمعت اباجعفر محمد بن علی یقول آل ابی بکر وآل عمر وآل علی یدفعون ارضھم بالثلث والربع۔

ص ۱۰۱ ۔ ج ۸ ۔ مصنف عبد الرزاق

چونکہ اس اثر کی سند میں ابو جعفر سے روائت کرنے والے راوی کا نام عمرو بن عثمان ہے لہٰذا یہ اس اثر سے الگ ہے جس میں ابو جعفر سے روائت کرنے والے قیس بن مسلم ہیں اور پھر چونکہ اس اثر میں صرف مہاجرین کے تین گھرانوں کا ذکر ہے یعنی اولادِ ابوبکرؓ اولادِ عمرؓ اور اولادِ علیؓ کے گھرانوں کا، جبکہ قیس بن مسلم والے اثر میں مہاجرین کے سب گھرانوں کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس میں قیس بن مسلم والے اثر کی جزوی اور ادھوری موافقت ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تحریر فرمایا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قیس بن مسلم سے عمرو بن عثمان کی جزوی موافقت سے وہ اصل اعتراض رفع ہو گیا جو علامہ قابسی نے قیس بن مسلم کے اثر پر کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ رفع نہیں ہوا کیونکہ علامہ قابسی کے اعتراض واشکال کی بنیاد یہ نہیں کہ قیس بن مسلم متفرد و منفرد ہیں بلکہ یہ ہے کہ قیس کوفی اور ابو جعفر مدنی ہیں اور کوئی مدنی راوی اس اثر کو ابو جعفر سے روائت نہیں کرتا، اور پھر علامہ قابسی کا یہی اعتراض اس دوسرے اثر پر بھی وارد ہوتا ہے جس کے راوی ابو جعفر سے عمرو بن عثمان بھی ہیں کیونکہ عمرو بن عثمان بھی مدنی نہیں بلکہ کوفی ہیں جیسا کہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں تصریح ہے۔

بہر حال اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قیس بن مسلم کا زیر بحث اثر سند واسناد کے لحاظ سے قابل اعتماد ہے تو درائت کے لحاظ سے اسے قابل اعتبار ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ مثلاً اس پر ایک یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو مزارعت پر زمین کا لین دین نہ کرتا ہو، یہ حقیقت واقعہ اور دوسری بہت سی روایات کے خلاف ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ کے مہاجرین کا معاشی پیشہ اور ذریعۂ معاش تجارت تھا زراعت نہ تھا البتہ انصار کا ذریعۂ معاش زراعت و کھیتی باڑی تھا

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس روائت میں جو بات کہی گئی ہے وہ صحابۂ کرامؓ اور عہدِ صحابہؓ سے متعلق نہیں بلکہ ایک صدی گزرنے کے بعد ان کی اولاد سے متعلق ہے جیسا کہ دوسرے اثر میں اس کی وضاحت ہے، یعنی یہ بات درست ہے کہ عہدِ صحابہؓ میں مہاجر صحابۂ کرام کا معاشی مشغلہ تجارت اور انصارِ صحابہؓ کا ذریعہ معاش زراعت و کاشتکاری تھا لیکن ابو جعفرؒ نے جو بات کہی ہے اسکا تعلق صحابۂ کرام کے پوتوں پڑپوتوں سے ہے کیونکہ

خود وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اور حضرت حسینؓ کے پوتے ہیں اور ۱۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، لہٰذا ہو سکتا ہے اس وقت مہاجرین صحابہ کرام کی اولاد نے زمینداری اور مزارعت پر زمینیں دینے لینے کا مشغلہ اختیار کر لیا ہو، جس طرح دوسری بہت سی خلافِ شرع چیزیں اس عہد میں رائج ہو گئی تھیں اسی طرح یہ زمینداری بھی رائج ہو گئی ہو، تاریخ بتلاتی ہے کہ ایک صدی بعد اجتماعی طور پر مسلمانوں میں بحیثیت مجموعی نہ وہ سیاسی و معاشی نظام باقی رہا اور نہ وہ معاشرتی و ثقافتی نظام جو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ اور خلافت راشدہ میں موجود تھا اور عملی طور پر وہ اجتماعی ڈھانچہ بہت کچھ تبدیل ہو گیا جو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ میں اسلامی معاشرے کا تھا اب ایسے افراد بہت کم تھے جن کی زندگیاں کتاب و سنّت کے عین مطابق ہوں اور جو اپنے قول و عمل سے اس اسلام کی صحیح تصویر پیش کر رہے ہوں جو قرآن و سنّت میں اجتماعی زندگی کے متعلق تھا، لہٰذا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابو جعفر کے زمانہ میں مہاجرین کی اولاد کا مزارعت پر عملدرآمد تھا تو یہ چیز شرعاً مزارعت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ کسی معاملہ کے جواز و عدم جواز کا اصل دار و مدار کتاب و سنّت اور قرآن و حدیث کے دلائل پر ہے مسلمانوں کا جو تعامل کتاب و سنّت کے مطابق ہو وہ جائز و صحیح اور جو مخالف ہو وہ ناجائز و غیر صحیح قرار پاتا ہے۔ امام مالک اہلِ مدینہ کے جس تعامل کو اہمیت دیتے ہیں وہ وہ تعامل ہے جس کا سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہوا اور جس کا واضح ثبوت عہدِ صحابہؓ میں ملتا ہو اور اس کو اہمیت دینے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس مسئلہ کے متعلق روایات کا اختلاف ہو بعض سے اس کا جواز اور بعض سے عدم جواز مفہوم ہوتا ہو تو امام مالک اس روایت یا رائے کو ترجیح دیتے ہیں جو تعامل اہلِ مدینہ کے مطابق ہو اور یہ اس وجہ سے کہ تعامل صحابہ سے بجا طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وہ ضرور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کسی قول و فعل کی بنا پر اختیار کیا ہوگا اور ان کے سامنے ضرور اس عمل کی کوئی سند و دلیل ہوگی اور یہ کہ کسی نظری تعلیم کا جو عملی مطلب صحابہ کرام نے سمجھا وہ بعد والوں کے سمجھے ہوئے مطلب پر یقیناً ترجیح رکھتا اور اقرب الی الصواب ہے لیکن یہ بات صرف اس تعامل مدینہ کی حد تک درست بیٹھتی ہے جس کا سلسلہ بالعموم اور بالاتفاق صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا ہو بالفاظِ دیگر مطلب یہ کہ اہلِ مدینہ کا ایسا تعامل جس کا عہدِ صحابہؓ میں ثبوت نہ ملتا اور جو عہدِ صحابہؓ کے بہت بعد وجود میں آیا ہو اور اپنے جواز کے لئے کتاب و سنّت کی کوئی

دلیل و سند نہ رکھتا ہو ایسے تعامل کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور اس کی بنا پر ایک دلیل کو دوسری دلیل پر ترجیح نہیں دی جاتی۔

اور پھر عجیب بات یہ کہ امام مالک جو امام دارالہجرت کہلاتے ہیں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور پوری زندگی آخر دم تک مدینہ منورہ میں گزاری اور جن کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ایک روائت کے مطابق پچاسی برس اور دوسری روائت کے مطابق نوّے برس تھی گویا ان کی وفات حضرت ابوجعفر کی وفات کے انسٹھ برس بعد ہوئی اور جوان چند جلیل القدر علماء میں سے ایک اور سرفہرست ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی کتاب و سنّت کی تعلیم و تدریس اور قرآن و حدیث کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کی اور دین اسلام کو سمجھنے سمجھانے میں اپنی سعی و جہد کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور مجتہد مطلق کے مقام پر فائز ہوئے، یہ امام مالک جیسا کہ مؤطا اور مدوّنہ سے ظاہر ہوتا ہے معاملہ مزارعت کے عدم جواز کے قائل اور اسے ایک فاسد و باطل معاملہ سمجھتے اور کہتے تھے بشرطیکہ وہ مستقل ہو مساقات کے ضمن میں نہ ہو، یعنی اصل معاملہ تو باغ کا ہو اور اس کے ضمن میں جو تھوڑی سی زمین آجائے جس کی آب پاشی، باغ کی آب پاشی سے خودبخود ہو جاتی ہو، باغ کے تابع ہونے کی وجہ سے اس کا حکم باغ کا حکم ہو جاتا ہے اور باغ کی پیداوار کی تقسیم کی طرح اس کی پیداوار کی تقسیم بھی مالک باغ، اور باغبان کے درمیان جائز ہو جاتی ہے، اور جہاں صرف سادہ زمین ہو اسے مزارعت پر دینا لینا امام مالک کے نزدیک بالکل ناجائز ہے آگے چل کر "ائمہ مجتہدین اور مزارعت" کے باب میں اس پر مفصل بحث آئے گی۔ یہاں اس چیز کے مختصر بیان سے مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ امام مالک جو تعامل اہلِ مدینہ کو خاص اہمیت دیتے تھے اگر مزارعت پر اہلِ مدینہ کا عہد صحابہؓ سے تعامل موجود ہوتا تو وہ کبھی اس معاملہ کو فاسد اور ناجائز نہ کہتے، مطلب یہ کہ ان کا مزارعت کو فاسد و ناجائز معاملہ کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ مدینہ کا مزارعت پر تعامل نہ تھا لہٰذا اس سے بھی قیس بن مسلم کا زیر بحث اثر مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔

امام مالک کے نزدیک مزارعت کا معاملہ فاسد و ناجائز معاملہ تھا اس کا اظہار قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج کی اس عبارت سے بھی صاف طور پر ہوتا ہے۔

"سألتَ امیرالمؤمنین عن المزارعۃ فی الارض البیضاء بالنصف والثلث، فان اصحابنا من اھل الحجاز واھل المدینۃ علی کراھۃ

ذٰلك وانسادہ ، ص ۸۸

ترجمہ : امیرالمومنین آپ نے یہ جو دریافت فرمایا ہے کہ سفید و خالی زمین پر نصف اور تہائی کے بدلے مزارعت کا کیا حکم ہے تو اس کا جواب یہ کہ جہاں تک ہمارے حجاز اور مدینہ کے اصحاب وعلماء وفقہاء کا تعلق ہے ان کا فتویٰ اس کی کراہیت اور انساد پر ہے یعنی وہ اس کے مکروہ اور فاسد ہونے کے قائل ہیں ۔

یہاں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ متقدمین کی کتابوں میں "کراہت" کا لفظ عموماً حرمت کے معنے میں استعمال ہوا ہے اور چونکہ کتاب الخراج کی عبارت مذکور میں "کراہت" کے ساتھ " اِنساد" کا لفظ بھی ہے لہٰذا مطلب یہ بنتا ہے کہ حجاز اور مدینہ کے فقہاء مزارعت کی حرمت پر متفق تھے ۔

غرضیکہ اگر قیس بن مسلم کے اثر کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے دو باتوں میں سے ایک ضرور ماننی پڑتی ہے یا یہ کہ مزارعت کے متعلق علماء مدینہ کا موقف غلط تھا ، یا یہ کہ مزارعت کے بارے میں مہاجرینِ مدینہ کا موقف اور عمل غلط تھا ، جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے اسے کوئی سمجھدار انسان نہیں مان سکتا کیونکہ علماء وفقہاء سے زیادہ شریعت کو جاننے اور سمجھنے والا اور کون ہوسکتا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرام کے پوتوں کا عمل مزارعت کے معاملہ میں خلافِ شریعت تھا اور چونکہ اس بات کو بھی ماننا آسان نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ قیس بن مسلم کے اس اثر کا انکار کر دیا جائے جس طرح مالکی محدث علامہ قابسیؒ نے اس کا انکار کیا ہے ۔

قیس بن مسلم کے اثر کے بعد بخاری کے ترجمۃ الباب کی عبارت یہ ہے :

وزارع علیؓ وسعدؓ بن مالك وعبدؓ الله بن مسعودؓ وعمرؒ بن عبدالعزیز والقاسمؒ وعُروۃؒ وآل ابی بکرؓ وآل عمرؓ وآل علیؓ وابن سیرینؒ ۔

ترجمہ : اور مزارعت کا معاملہ کیا حضرت علی، حضرت سعد بن مالک اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز، حضرت قاسمؒ ، حضرت عروہؒ اور اولادِ ابوبکرؓ اولادِ عمرؓ اور اولادِ علیؓ نے اور ابن سیرینؒ نے ۔

اس عبارت میں حضرت امام بخاریؒ نے تین صحابۂ کرامؓ ، چار تابعینؒ اور کچھ تبع تابعینؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ وہ مزارعت کا معاملہ کرتے اور مزارعت پر زمین دیتے تھے لیکن

صرف ان کے ناموں پر اکتفا کیا ہے وہ روایات نہ یہاں اور نہ اپنی کتاب میں کسی دوسری جگہ بیان فرمائی ہیں جن سے ان کو اس کا علم ہوا ہے کہ یہ حضرات مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ کیوں بیان نہیں فرمائیں؛ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سند و اسناد کے لحاظ سے اس معیار کے مطابق نہ تھیں جو انہوں نے مقرر فرمایا ہے یا ممکن ہے اس کی وجہ کوئی اور رہو، بہر حال اللہ جزائے خیر دے شارحین بخاری کو کہ انہوں نے وہ آثارِ صحابہ و تابعین دوسری کتابوں سے بیان کر دیئے ہیں جن کے پیشِ نظر امام بخاری نے یہ تحریر فرمایا ہے، علامہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں ان آثار کی جو تخریج کی ہے، حسب ذیل ہے:

"اما اثر علیؓ فوصلہ ابن ابی شیبۃ من طریق عمرو بن صلیع عنہ انہ لم یر بأسا بالمزارعۃ علی النصف"

"چنانچہ حضرت علیؓ کے اثر کو پوری سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ نے عمرو بن صلیع کی روائت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نصف پیداوار پر مزارعت میں کچھ حرج نہ دیکھتے تھے۔"

اس اثر کی استنادی حیثیت پر بحث کرنے سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے اس اثر کی وہ پوری سند بیان نہیں کی جو مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح ہے:

حدثنا ابوبکر قال حدثنا	ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہم سے بیان کیا وکیع
وکیع عن سفیان عن الحارث	نے، وکیع نے روائت کیا سفیان سے،
بن حصیرۃ عن صخر بن الولید	سفیان نے حارث بن حصیرہ سے، اس نے
عن عمرو بن صلیع عن علی انہ	صخر بن ولید سے، اس نے عمرو بن صلیع سے
لم یر بأسا بالمزارعۃ علی النصف	اس نے حضرت علی سے یہ کہ وہ نصف پیداوار
(ص ۲۳۹ - ج ۶)	پر مزارعت میں کچھ مضائقہ نہ دیکھتے تھے

اور یہی اثر مصنف عبدالرزاق میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بایں طور ہے۔

اخبرنا عبدالرزاق عن الثوری	عبدالرزاق نے سفیان ثوریؒ سے روائت
عن الحارث بن حصیرۃ قال حدثنی	کیا اس نے حارث بن حصیرہ سے یہ کہ اس
صخر بن الولید عن عمرو بن صلیع	نے کہا مجھ سے بیان کیا صخر بن ولید نے
المحاربی قال جاء رجل الی علیؓ	عمرو بن صلیع سے روائت کرتے ہوئے یہ کہ

نوشی برجل، فقال انہٗ اخذارضا	اس نے کہا کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس
یصنع بہا کذا وکذا، فقال	آیا اور دوسرے شخص کی چغلی کھائی۔ یعنی یہ کہا
الرجل اخذتہا بالنصف اکری	کہ اس نے زمین لے رکھی ہے جس میں یہ یہ
انہارہا واصلحہا واعمرہا	کرتا ہے، حضرت علیؓ کے پوچھنے پر اس شخص
فقال علیؓ لا بأس	نے بتلایا کہ میں نے وہ زمین نصف پر لے لی
(ص ۹۹ - ج ۸)	ہے۔ اس کی نہروں کو کھودتا ہوں۔ اس کو

درست اور آباد کرتا ہوں، یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا "کچھ حرج نہیں۔"

اس اثر کی سند میں حارث بن حصیرہ نامی جو راوی ہے اس کی شخصیت خاصی متنازع فیہ اور مشتبہ ہے۔ علمائے جرح وتعدیل میں سے بہت سوں نے اس کی تضعیف کی اور اسے ناقابل اعتماد بتلایا ہے اور بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں مثلاً تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہ میں مختلف علماء کے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً ابو احمد الزبیری کا قول ہے کہ "کانَ یؤمن بالرجعۃ" وہ حضرت علیؓ کے دوبارہ لوٹ کے آنے کا اعتقاد رکھتا تھا، دارقطنی کے الفاظ اس کے بارے میں یہ ہیں کہ "شیخ للشیعۃ یغلو فی التشیع" یعنی حد سے بڑھا ہوا غالی قسم کا شیعہ تھا، ابن عدی نے اس کے متعلق کہا وہ ان میں سے تھا جنہوں نے کوفہ میں شیعیت کے جھوٹے عقیدے گھڑے اور پھیلائے، الازدی نے کہا "حارث بن حصیرۃ زائغ" حارث بن حصیرہ کے اندر زیغ اور کجی ہے، یحییٰ بن معین نے فرمایا: خَشَبِی ہے یعنی اس لکڑی سے عقیدت رکھنے والا ہے جس پر زید بن علی کو سولی دی گئی تھی، نسائی نے کہا کہ ثقہ ہے، ابو حاتم نے اس کے بارے میں فرمایا اگر ثوری نے اس سے روایت نہ کی ہوتی تو اس قابل تھا کہ اس کی کوئی حدیث نہ لی جاتی وغیرہ وغیرہ بہرکیف چونکہ یہ بھی ایک قاعدہ ہے کہ جب کسی راوی کے متعلق جرح اور تعدیل کا پلڑا برابر ہو تو جرح کو تعدیل پر ترجیح دے کر راوی کو ساقط الاعتبار سمجھا جاتا ہے لہٰذا حارث بن حصیرہ کی وجہ سے اثر زیر بحث کی استنادی حیثیت سند کے لحاظ سے ضعیف وکمزور قرار پاتی ہے۔

علاوہ ازیں مصنف عبدالرزاق کی روائت میں اس اثر کی جو تفصیل ہے اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود مزارعت کا معاملہ کیا جیسا کہ "ترجمۃ الباب" کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ روائت کے الفاظ تو صرف یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے